حالات کا جائزہ اور آئندہ کے امکانات

پچھلے مضمون میں ہم نے محض سرسری طور پر مسلمانوں کو اس انقلاب سے آگاہ کیا تھا جو عنقریب ہندوستان میں رونما ہونے والا ہے، اور جس کے آثار اب پوری طرح نمایاں ہو چکے ہیں ــــــــ ہمارا اصل مقصد مسلمانوں کو اس نئے آنے والے انقلاب میں اپنے قومی تشخص اور اپنی قومی تہذیب کی حفاظت کے لئے تیار کرنا ہے۔ مگر یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی موجودہ پوزیشن اور اس جدید انقلاب کی نوعیت کو اچھی طرح نہ سمجھ لیں، اور یہ نہ جان لیں کہ اس پوزیشن میں اس نوعیت کا انقلاب ان کی قومیت اور ان کی قومی تہذیب پر کس طرح اثر انداز ہوگا اور اس کے نتائج کیا ہوں گے۔

مسلمانوں کی چار بنیادی کمزوریاں

پچھلی صحبت میں ہم مسلمانوں کی موجودہ پوزیشن پر ایک سرسری تبصرہ کر چکے ہیں جس سے اجمالاً آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ اجتماعی حیثیت سے اس وقت مسلمانوں میں کس قسم کی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن آگے جو کچھ ہم کو کہنا ہے اس کو پوری طرح سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ واضح طور پر ان چار اہم ترین کمزوریوں سے واقف ہو جائیں جو مسلمانوں کی قومی طاقت کو گھن کی طرح کھا گئی ہیں

اور در حقیقت انہی کی وجہ سے یہ سوال پیدا بھی ہُوا ہے کہ آنے والے انقلاب میں کیا مسلمان اپنی اسلامی قومیت اور اپنی اسلامی تہذیب کی حفاظت کرسکیں گے ؟ ورنہ اگر یہ کمزوریاں نہ ہوتیں تو کسی مسلمان کے دماغ میں یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوسکتا تھا

پہلی اور اہم ترین کمزوری

مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ان کا سواد اعظم اپنی قومی تہذیب اور اس کی امتیازی خصوصیات سے ناواقف ہے حتیٰ کہ اس میں اُن حدود کا شعور تک باقی نہیں رہا ہے جو اسلام کو غیر اسلام سے ممیّز کرتی ہیں۔ اسلامی تعلیم، اسلامی تربیت اور جماعت کا ڈسپلن تقریباً مفقود ہوچکا ہے ۔ ان کے افراد منتشر طور پر ہر قسم کے بیرونی اثرات قبول کر رہے ہیں اور جماعت اپنی کمزوری کی بنا پر بتدریج ان اثرات کو اپنے اندر جذب کرتی چلی جاتی ہے ــــــ ان کا قومی کیرکٹر اب مردانہ کیرکٹر نہیں رہا، بلکہ زنانہ کیرکٹر بن گیا ہے جس کی نمایاں خصوصیت تأثر اور انفعال ہے ــــــ ہر طاقتور ان کے خیالات کو بدل سکتا ہے، ان کے عقائد کو پھیر سکتا ہے، ان کی ذہنیت کو اپنے سانچے میں ڈھال سکتا ہے، ان کی زندگی کو اپنے رنگ میں رنگ سکتا ہے، ان کے اصول حیات میں اپنی مرضی کے مطابق جیسا چاہے تغیّر و تبدل کر سکتا ہے۔ اول تو وہ اتنا علم ہی نہیں رکھتے کہ یہ امتیاز کر سکیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم کس خیال اور کس عملی طریقے کو قبول کر سکتے ہیں اور کس کو قبول نہیں کر سکتے ۔ دوسرے ان کی قومی تربیت اتنی ناقص ہے کہ ان کے اندر کوئی اخلاقی طاقت ہی باقی نہیں رہی۔ جب کوئی چیز قوت کے ساتھ آتی اور گرد و پیش میں پھیل

جاتی ہے، تو خواہ وہ کتنی ہی غیر اسلامی ہو، یہ اس کی گرفت سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے اور غیر اسلامی جاننے کے باوجود طوعاً و کرہاً اس کے آگے سپر ڈال ہی دیتے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ نظام جماعت حد سے زیادہ مضمحل ہو چکا ہے۔ ہماری سوسائٹی میں اتنی قوت ہی نہیں رہی کہ وہ اپنے افراد کو حدود اسلامی کے باہر قدم رکھنے سے باز رکھ سکے، یا اپنے دائرے میں غیر اسلامی خیالات اور طریقوں کی اشاعت کو روک سکے۔ افراد کو قابو میں رکھنا تو درکنار ہماری سوسائٹی تو اب افراد کے پیچھے چل رہی ہے۔ پہلے چند سرکش افراد اسلامی قانون کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ سوسائٹی چند روز اس پر ناک بھوں چڑھاتی ہے، پھر دیکھتے دیکھتے وہی بغاوت ساری قوم میں پھیل جاتی ہے۔

دوسری کمزوری

انفرادیت اور لامرکزیت کی روز افزوں ترقی نے مسلمانوں کے شیرازۂ قومیت کو پارہ پارہ کر دیا ہے، اور اجتماعی عمل کی کوئی صلاحیت اب ان میں نہیں پائی جاتی۔ شخصی اغراض اور ذاتی مفاد کی بنیاد پر جماعتیں بنتی ہیں اور پھر خود غرضی کی چٹان ہی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ کوئی بڑی سے بڑی قومی مصیبت بھی آج مسلمانوں کے رہنماؤں اور ان کے قومی کارکنوں کو اتحاد عمل اور مخلصانہ و بے غرضانہ عمل پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد سے مسلسل مصیبتیں مسلمانوں پر نازل ہوئیں، پیہم خطرات ان کے سامنے آئے، مگر کوئی ایک چیز بھی ان کو اشتراک عمل کے لئے جمع نہ کر سکی۔ تازہ ترین واقعہ مسجد شہید گنج کا ہے جس نے اس قوم کی کمزوری کا راز اپنوں سے زیادہ غیروں پر فاش کر دیا۔ ان کے اندر اتنی زندگی تو ضرور باقی ہے کہ جب کوئی

مصیبت پیش آتی ہے تو تڑپ اٹھتے ہیں، مگر وہ اخلاقی اوصاف باقی نہیں جنکی بدولت یہ قومی مفاد کی حفاظت کے لئے اجتماعی کوشش کر سکیں۔ ان میں اتنی تمیز نہیں کہ صحیح رہنما کا انتخاب کر سکیں، ان میں اطاعت کا مادہ نہیں کہ کسی کو رہنما تسلیم کرنے کے بعد اس کی بات کو مانیں اور اس کی ہدایت پر چلیں۔ ان میں اتنا ایثار نہیں کہ کسی بڑے مقصد کے لئے اپنے ذاتی مفاد، اپنی ذاتی رائے، اپنی آسائش، اپنے مال اور اپنی جان کی قربانی کسی حد تک بھی گوارا کر سکیں۔

تیسری کمزوری

افلاس، جہالت اور غلامی نے ہمارے افراد کو بے غیرت اور بندۂ نفس بنا دیا ہے۔ وہ روٹی اور عزت کے بھوکے ہو رہے ہیں۔ ان کا حال یہ ہو گیا ہے کہ جہاں کسی نے روٹی کے چند ٹکڑے اور نام و نمود کے چند کھلونے پھینکے، یہ کتوں کی طرح ان کی طرف لپکتے ہیں، اور ان کے معاوضے میں اپنے دین و ایمان، اپنے ضمیر، اپنی غیرت و شرافت، اپنی قوم و ملت کے خلاف کوئی خدمت بجا لانے میں ان کو باک نہیں ہوتا۔ مسلمان کا ایمان جو کبھی سارے جہاں کی دولت سے بھی زیادہ قیمتی تھا، آج اتنا سستا ہو گیا ہے کہ ایک حقیر سی تنخواہ اسے خرید سکتی ہے، ایک ادنیٰ درجہ کی کرسی پر وہ قربان ہو سکتا ہے، ایک آبرو باختہ عورت کے قدموں پر وہ نثار کیا جا سکتا ہے، اک ذرا سی شہرت و ناموری عطا کر کے اور دو چار جے کے نعرے لگا کر اس کو خرید لیا جا سکتا ہے۔ گذشتہ ڈیڑھ سو برس کا تجربہ بتا رہا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنوں نے

جو کچھ کرنا چاہا، اس کے لئے خود مسلمانوں ہی کی جماعت سے ایک دو نہیں ہزاروں اور لاکھوں خائن اور غدار ان کو مل گئے، جنہوں نے تقریر سے، تحریر سے، ہاتھ اور پاؤں سے، حتّٰی کہ تلوار اور بندوق تک سے اپنے مذہب اور اپنی قوم کے مقابلہ میں دشمنوں کی خدمت کی۔ یہ ناپاک اور ذلیل ترین وصف جب ہمارے افراد میں موجود رہے تو جس طرح چھ ہزار میل دور کے رہنے والوں نے اس سے فائدہ اٹھایا، اسی طرح ہم سے ایک دیوار بیچ رہنے والے بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور اگر ہماری فاش گوئی کسی کو بُری نہ معلوم ہو تو ہم صاف کہہ دیں کہ انہوں نے اس سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ پرانی مارکٹ میں جب سے سرد بازاری کے آثار نمایاں ہوئے ہیں، نئی مارکٹ میں ایمان کی خرید و فروخت کا بیوپار بڑھ رہا ہے —— ہمارے کان خود اپنی قوم کے لوگوں کی زبانوں سے جب کمیونزم کا پروپگنڈا سُنتے ہیں، متحدہ ہندی قومیت میں جذب ہو جانے کی دعوت سُنتے ہیں اور یہ آوازیں سُنتے ہیں کہ اسلامی کلچر کوئی جداگانہ کلچر ہی نہیں ہے، تو ہمارا حافظہ ہم کو یاد دلاتا ہے کہ کچھ اسی نوعیت کی آوازیں اس وقت بھی بلند ہونی شروع ہوئی تھیں جب سرکار برطانیہ کی غلامی کا زرین پھندا ہمارے گلوں میں پڑ رہا تھا۔

چوتھی کمزوری

ہماری قوم میں منافقین کی ایک بڑی جماعت شامل ہے اور اس کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ بکثرت اشخاص، تعلیم یافتہ، صاحب قلم، صاحب زبان، صاحب مال و زر، صاحب اثر اشخاص ایسے ہیں جو دل سے اسلام اور اس کی

تعلیمات پر یقین نہیں رکھتے، مگر نفاق اور قطعی بے ایمانی کی راہ سے مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہیں۔ یہ اسلام سے عقیدۃً اور عملاً نکل چکے ہیں، مگر اس سے برأت کا صریح اعلان نہیں کرتے، اس لئے مسلمان ان کے ناموں سے دھوکہ کھا کر انہیں اپنی قوم کا آدمی سمجھتے ہیں، ان سے شادی بیاہ کرتے ہیں، ان سے معاشرت کے تعلقات رکھتے ہیں، اور ان زہریلے جانوروں کو اپنی جماعت میں چل پھر کر اور رہ بس کر زہر پھیلانے کا موقع دے رہے ہیں۔ نفاق کا خطرہ ہر زمانے میں مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ رہا ہے۔ مگر اس نازک زمانہ میں تو یہ ہمارے لئے پیام موت ہے۔ آنکھیں کھول کر دیکھئے کہ یہ منافقین کیسا مہلک زہر ہماری قوم میں پھیلا رہے ہیں۔ یہ اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں، اس کی اساسی تعلیمات پر حملے کرتے ہیں، مسلمانوں کو دہریت اور الحاد کی طرف دعوت دیتے ہیں، ان میں بے دینی اور بے حیائی اور قانون اسلامی کی خلاف ورزی کو نہ صرف عملاً پھیلاتے ہیں بلکہ کھلم کھلا زبان و قلم سے اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ان کی تہذیب کو مٹانے کی ہر کوشش میں آپ دیکھیں گے کہ یہ دشمنوں سے چار قدم آگے ہیں۔ ہر وہ اسکیم جو اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کے لئے کہیں سے نکلی ہو، اس کو مسلمانوں کی جماعت میں نافذ کرنے کی خدمت یہی ناپاک گروہ اپنے ذمہ لیتا ہے، اور اسلامی قومیت کا ایک جزء ہونے کی وجہ سے اس کو اپنا کام کرنے کا خوب موقع مل جاتا ہے۔

یہ حالت ہے اس وقت ہماری قوم کی، اور اس حالت میں یہ ایک بڑے انقلاب کے سرے پر کھڑی ہے۔ انقلاب کی فطرت، بحرانی اور طوفانی فطرت ہوتی ہے۔ وہ جب آتا ہے تو آندھی اور سیلاب کی طرح آتا ہے۔ اس کے زور کا مقابلہ اگر کچھ کر سکتی ہیں تو مضبوط

جمی ہوئی چٹانیں ہی کر سکتی ہیں ـــــــ بوسیدہ عمارتیں جو اپنی جڑ چھوڑ کر محض فضا کے سکون و جمود کی بدولت کھڑی ہوں، ان کا کسی انقلابی طوفان میں ٹھیرنا غیر ممکن ہے۔ اب جو کوئی صاحب بصیرت انسان اس وقت مسلمانوں کی حالت پر نگاہ ڈالے گا، وہ بیک نظر معلوم کر لے گا کہ ان کمزوریوں کے ساتھ یہ قوم ہرگز کسی انقلاب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے لئے انقلابی دور میں اپنے قومی تشخص اور اپنی قومی تہذیب کے خصائص کو بچالے جانا اور اپنے حقوق کو پامالی سے محفوظ رکھنا بہت ہی مشکل ہے۔ اول تو وہ جہالت کی بنا پر وہ بہت سے اجنبی اثرات کو بے جانے بوجھے قبول کر لے گی۔ پھر زنانہ کیر کٹر اس کو بہت سی ایسی چیزوں سے متاثر کر دے گا جن کو وہ جانتی ہوگی کہ اسلامی تعلیمات کے خلاف اور اسلامی تہذیب کے منافی ہیں۔ اس طرح ایک بڑی حد تک تو بلا مقابلہ ہی شکست واقع ہوگی۔ اس کے بعد جو تھوڑے بہت احساسات باقی رہ جائیں گے وہ اگر کسی شدید حملے پر بیدار بھی ہوئے، اور اس قوم نے اپنے حقوق کی حفاظت کرنی بھی چاہی، تو نہ کر سکے گی، کیونکہ اپنی بدنظمی اور انتشار کی بدولت اس کے لئے کوئی متحدہ جدوجہد کرنا مشکل ہوگا، اور اسی کے گروہ سے ہزاروں لاکھوں خائن، غدار اور منافق اس کے قومی حقوق کو پامال کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

جدید انقلابی قوتوں پر ایک نظر

مسلمانوں کی حالت کا جائزہ آپ لے چکے۔ اب آئندہ انقلاب کے نتائج کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ان قوتوں کا بھی جائزہ لینا ضروری ہے جو اس انقلابی تحریک

ہیں کام کر رہی ہیں ۔

ہندوستان کی جدید وطنی حرکت در اصل نتیجہ ہے اُس تصادم کا جو انگریزی اقتدار اور ہندوستان کے درمیان گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے ہو رہا ہے۔ یہ تصادم محض سیاسی نہیں ہے بلکہ فکری اور عمرانی بھی ہے، اور یہ عجیب بات ہے کہ فکری و عمرانی تصادم کا جو نتیجہ ہوا ہے وہ سیاسی تصادم کے نتیجہ سے بالکل برعکس ہے۔ انگریزی سیاست کے جور و استبداد اور معاشی لوٹ نے تو ہندوستان کے باشندوں کو آزادی کا سبق دیا اور ان میں یہ جذبہ پیدا کیا کہ بندِ غلامی کو توڑ کر پھینک دیں۔ لیکن انگریزی علوم و فنون اور انگریزی تہذیب و تمدن نے ان کو پوری طرح مغرب کا غلام بنا دیا، اور ان کے دماغوں پر اتنا زبردست قابو پالیا کہ اب وہ زندگی کا کوئی نقشہ اُس نقشہ کے خلاف نہیں سوچ سکتے جو ان کے سامنے اہل مغرب نے پیش کیا ہے۔ وہ جس قسم کی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اس کی نوعیت صرف یہ ہے کہ ہندوستان سیاسی حیثیت سے آزاد ہو، اپنے گھر کا انتظام آپ کرے، اور اپنے وسائل معیشت کو خود اپنے مفاد کے لئے استعمال کرے۔ لیکن یہ آزادی حاصل کرنے کے بعد اپنے گھر کے انتظام اور اپنی زندگی کی تعمیر کا جو نقشہ ان کے ذہن میں ہے وہ از سرتاپا فرنگی ہے۔ ان کے پاس جتنے اجتماعی تصورات ہیں، جس قدر عمرانی اصول ہیں، سب کے سب مغرب سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔ ان کی نظر فرنگی نظر ہے، ان کے دماغ فرنگی دماغ ہیں، انکی ذہنیت پوری طرح فرنگیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ بلکہ انقلابیت کے بحران نے ان کو دیا کم از کم ان کے سب سے زیادہ پرجوش طبقوں کو، فرنگیوں میں سے بھی

اُس قوم کا متبع بنا دیا ہے جو انتہا پسندی میں تمام فرنگی اقوام کو پیچھے چھوڑ چکی ہے۔ وہ پکے مادہ پرست ہیں۔ ان کی نگاہ میں اخلاق و روحانیت کی کوئی قیمت نہیں۔ ان کو خدا پرستی سے نفرت ہے۔ مذہب کو وہ شر و فساد کا ہم معنی سمجھتے ہیں۔ مذہبی اور اخلاقی قدروں کو وہ پرکاہ کے برابر بھی وقعت دینے کے لیے تیار نہیں۔ ان کو ہر ایسی قومیت اور ہر ایسے قومی امتیاز سے چڑ ہے جس کی بنیاد مذہب پر ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ رواداری جو مذہب کے ساتھ برت سکتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ اس کو اپنی عبادت گاہوں اور اپنے مراسم میں جینے دیں۔ باقی رہی اجتماعی زندگی تو اس میں مذہب اور مذہبیت کے ہر اثر کو مٹانا ان کا نصب العین ہے اور ان کے نزدیک اس اثر کو مٹائے بغیر کوئی ترقی ممکن نہیں۔ ہندوستانی قومیت کا جو نقشہ ان کے پیش نظر ہے۔ اس میں مذہبی جماعتوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ وہ تمام امتیازی حدود کو توڑ کر وطنیت کی بنیاد پر ایک ایسی قوم بنانا چاہتے ہیں جس کی اجتماعی زندگی ایک ہی طرز پر تعمیر ہو، اور وہ طرز اپنے اصول و فروع میں خالص مغربی ہو۔

کمزوریوں کے ساتھ انقلابی تحریک میں شریک ہونیکے نتائج

چونکہ اس جماعت کے مقاصد میں سیاسی آزادی کا مقصد سب سے مقدم ہے، اور وہی اس وقت حالات کے لحاظ سے نمایاں ہو رہا ہے، اس لئے مسلمانوں کے آزادی پسند طبقے اس کی طرف کھنچ رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریز کی غلامی ہندوستان کے تمام باشندوں کے لئے ایک مشترک مصیبت ہے۔

اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے مشترک جدوجہد کرنا ہر آئینہ معقول ہے۔ اور جو گروہ اس جدوجہد میں سب سے زیادہ سرگرم ہو اس کی طرف دلوں کا مائل ہونا، اور اس کے ساتھ شریک عمل ہو جانا بظاہر ضروری نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے علماء اور سیاسی رہنماؤں میں سے ایک بڑی جماعت اور مخلص جماعت کانگریس کی طرف جا رہی ہے اور عامۂ مسلمین کو بھی ترغیب دے رہی ہے کہ اس میں شریک ہو جائیں۔ لیکن عمل کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے ایک مرتبہ اچھی طرح سوچ لینا چاہئے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔

مسلمانوں کی جو کمزوریاں ہم نے اوپر بیان کی ہیں وہ سب آپ کے سامنے ہیں۔ ان کو پیش نظر رکھ کر غور کیجئے کہ ان کمزوریوں کے ساتھ جب یہ قوم کانگریس میں شریک ہوگی اور اس کے عوام سے کانگریسی کارکنوں کا رابطہ قائم ہوگا تو آزادی وطن کی تحریک کے ساتھ ساتھ اور کس کس قسم کی تحریکیں ان کے درمیان پھیلیں گی۔ کس کس طرح مسلمانوں کے عوام اُن اجتماعی نظریات، اُن ملحدانہ افکار اور ان غیر اسلامی طریقوں سے متاثر ہوں گے جو اس جماعت میں شائع و ذائع ہیں کس طرح اسلامی جماعت کے رگ و ریشہ میں اُس فکری و عمرانی انقلاب کے عناصر پھیلائے جائیں گے جو سیاسی انقلاب کے ساتھ ہم رشتہ ہے۔ کس طرح مسلمانوں کے اندر ایک ایسی رائے عام تیار کرنے کی کوشش کی جائے گی جو علی رغم انف علماء و زعماء جدید ترین مغربی واشتراکی بنیادوں پر اجتماعی زندگی کی تعمیر کے ہر نقشہ کی تائید کرنے والی ہو۔ کس طرح مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے خود مسلمانوں کی جماعت سے وہ لوگ تیار کئے جائیں گے جو اسلامی کلچر کے خلاف ہر قسم کے طریقے رائج کرنے

اور ہر قسم کے قوانین وضع کرنے میں حصہ لیں گے۔ ان حالات میں آپ کے پاس کونسی قوت ہے جس سے آپ اپنی قوم کو قابو میں رکھ سکیں گے؟ آپ نے اپنے عوام کو اسلامی تہذیب کے حدود میں رکھنے کا کیا بندوبست کیا ہے؟ آپ نے ان کو غیر اسلامی اثرات سے بچانے کا کیا انتظام کیا ہے؟ آپ نے اپنے غداروں اور منافقوں کے فتنے کا کیا علاج سوچا ہے؟ آپ کے پاس یہ اطمینان کرنے کا کونسا ذریعہ ہے کہ کسی ضرورت کے موقع پر آپ اسلامی حقوق کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کو جمع کر سکیں گے اور ان کی متحدہ طاقت آپ کی پشت پر ہو گی؟

باطل کی جگہ باطل قائم کرنا مسلمان کا کام نہیں

انگریز کے اقتدار کا خاتمہ کرنا یقیناً ضروری ہے، بلکہ فرض ہے۔ کوئی سچا مسلمان غلامی پر ہرگز راضی نہیں ہو سکتا۔ جس شخص کے دل میں ایمان ہو گا وہ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہ چاہے گا کہ ہندوستان انگریز کے پنجۂ استبداد میں رہے۔ لیکن آزادی کے جوش میں یہ نہ بھول جائیے کہ انگریزی اقتدار کی مخالفت میں مسلمان کا نظریہ ایک وطن پرست کے نظریہ سے بالکل مختلف ہونا چاہئے۔ اگر آپ کو انگریز سے اس لئے عداوت ہے کہ وہ انگریز ہے، چھ ہزار میل دُور سے آیا ہے، آپ کے وطن کا رہنے والا نہیں ہے، تو یہ اسلامی عداوت نہیں بلکہ جاہلی عداوت ہے۔ اور اگر آپ اُس سے اس لئے عداوت رکھتے ہیں کہ وہ غیر صالح ہے، ناجائز طریقہ سے حکومت کرتا ہے، عدل کے بجائے جور پھیلاتا ہے، اصلاح کے بجائے افساد

کرتا ہے، تو یہ بلاشبہ اسلامی عداوت ہے۔ لیکن اس لحاظ سے آپ کو دوستی اور دشمنی کا معیار اصول کو قرار دینا پڑے گا، نہ کہ وطنیت کو۔ جو کچھ انگریز کرتا ہے اگر وہی کچھ دوسرے کریں تو آپ محض اس بنا پر ان کی حمایت نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارے ہم وطن ہیں۔ مسلمان کی نگاہ میں وطنی اور غیر وطنی کوئی چیز نہیں۔ وہ غیر ملک کے صہیب اور سلمان کو گلے لگا سکتا ہے مگر اپنے وطن کے ابوجہل اور ابولہب سے دوستی نہیں کر سکتا۔ پس اگر مسلمان ہیں تو وطنیت کے ڈھنگ پر نہ سوچیے بلکہ حق پرستی کے ڈھنگ پر سوچیے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے انگریز کی غلامی کے بند توڑنا ضرور آپ کا فرض ہے، مگر کسی ایسی حکومت کے قیام میں مددگار بننا آپ کے لئے ہرگز جائز نہیں جس کی بنیاد انہی اصولوں پر ہو جن پر انگریزی حکومت کی بنیاد قائم ہے عام اس سے کہ وہ وطنی حکومت ہو یا غیر وطنی۔ آپ کا کام باطل کو مٹا کر حق کو قائم کرنا ہے۔ ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل اور بدتر باطل کو قائم کرنا نہیں ہے۔ آپ انگریزی حکومت کے خلاف ہر اس گروہ سے موالات کیجئے جو اس کو مٹانا چاہتا ہو۔ مگر یہ بتائیے کہ اس ظالم حکومت کو مٹا کر ایک عادل حکومت قائم کرنے کے لئے آپ نے کیا انتظام کیا ہے؟ کون سی طاقت آپ نے فراہم کی ہے جس سے آپ دوسری حکومت کی تشکیل حق کے اصولوں پر کرا سکیں؟ یہ نہیں تو جانے دیجئے۔ کہ آپ نے خود اپنی قوم کو باطل کے اثرات سے بچانے کا کیا بندوبست فرمایا ہے؟

کیا آئینی ضمانتیں اور تحفظات کافی ہو سکتے ہیں؟

آپ کہتے ہیں کہ ہم اپنی تہذیب اور اپنے قومی حقوق کی حفاظت کے لئے آئینی

ضمانتیں لیں گے۔ ہم دستور اساسی میں ایسے تحفظات رکھوائیں گے جن سے ہمارے حقوق پر آنچ نہ آنے پائے۔ بلاشبہ یہ سب کچھ آپ کر سکتے ہیں۔ مگر شائد آپ نے غور نہیں فرمایا کہ آئینی ضمانتیں اور دستور اساسی کے تحفظات اور دوسرے تمام کاغذی مواثیق صرف اسی قوم کے لئے مفید ہو سکتے ہیں جس میں ایک طاقتور رائے عام موجود ہو، جو اپنے حقوق کو سمجھتی ہو، اپنی تہذیب کو جانتی ہو، اس کی خصوصیات کو پہچانتی ہو، اس کی حفاظت کا ناقابل تسخیر ارادہ رکھتی ہو، اور منفرداً و مجتمعاً اس کی طرف سے مدافعت کے لئے ہر وقت سینہ سپر ہو۔ یہ صفات اگر آپ کی قوم میں موجود ہیں تو آپ کو کسی آئینی ضمانت اور کسی دستوری تحفظ کی بھی ضرورت نہیں۔ اور اگر آپ کی قوم ان صفات سے عاری ہے تو یقین رکھئے کہ کوئی ضمانت اور کوئی تحفظ ایسی حالت میں کار آمد نہیں ہو سکتا۔ آپ دستور اساسی کی ضمانتوں کو زیادہ سے زیادہ خارجی حملوں کے مقابلہ میں استعمال کر سکتے ہیں۔ مگر اندرونی انقلاب کا آپ کے پاس کونسا علاج ہے؟ مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ کل مخلوط تعلیم شروع ہوتی ہے اور آپ کی قوم کے افراد خود اپنی مرضی سے دھڑا دھڑ اپنی لڑکیوں اور لڑکوں کو مخلوط مدارس میں بھیجتے ہیں۔ کونسا دستوری تحفظ اس تحریک کو اور اس کے زہریلے نتائج کو روکنے کے لئے استعمال کیا جائے گا؟ فرض کیجئے کہ سول میرج کے طریقہ پر مخلوط نکاحوں کا رواج پھیلتا ہے اور آپ کی قوم خود اس تحریک سے متاثر ہو جاتی ہے۔ کونسی آئینی ضمانت اس کی روک تھام کر سکے گی؟ فرض کیجئے کہ آپ کی اپنی قوم میں پروپیگنڈا کی قوت اور تعلیم کے وسائل سے ایک ایسی رائے عام تیار کر دی جاتی ہے جو قوانین اسلامی میں ترمیم و تنسیخ پر راضی ہو —— آپ کی اپنی

قوم کے افراد ایسے قوانین کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جو اصول اسلام کے خلاف ہوں ۔ خود آپ ہی کے ووٹوں کی اکثریت سے ایسی تجویزیں پاس ہو جاتی ہیں جو آپ کے تمدن کو اسلامی مناہج سے ہٹا دینے والی ہوں ۔ وہ کونسے "بنیادی حقوق" ہیں جن کا واسطہ دے کر آپ ان چیزوں کو منسوخ کرا سکیں گے ؟ فرض کیجئے کہ آپ کی قوم بتدریج ہمسایہ اقوام کے طرز معاشرت، آداب و اطوار، عقائد و افکار کو قبول کرنا شروع کرتی ہے اور اپنے قومی امتیازات کو خود بخود مٹانے لگتی ہے ۔ کونسا کاغذی میثاق اس تدریجی انجذاب کی روک تھام کر سکے گا ؟ آپ اس کے جواب میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سب تمہارے خیالی مفروضات ہیں ۔ اس لئے کہ جو مسلمان اس وقت وطنی تحریک میں شریک ہیں ان کے نمونے آپ کے سامنے موجود ہیں ۔ دیکھ لیجیے کہ ان کا طرز عمل انگریز کے غلاموں سے کچھ بھی مختلف نہیں ۔ وہی ذہنی غلامی، وہی زنانہ انفعال و تاثیر، وہی انجذابی کیفیت یہاں بھی نمایاں ہے جو آستانہ فرنگ کے طائفین و عاکفین میں نظر آتی ہے ۔ پھر جب اپنی قوم کی کمزوری اور اس کی موجودہ مزاجی کیفیت کے یہ کھلے ہوئے علائم و آثار آپ کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں تو آخر کس بھروسہ پر آپ ساری قوم کو ادھر لے جانا چاہتے ہیں ؟ فرمائیے تو سہی کہ آپ نے باطنی انقلاب اور تدریجی انجذاب کو روکنے کے لئے کونسا تحفظ فراہم کر رکھا ہے ؟

عوام کا جمود اور سیاسی جماعتوں کی بے راہ رویاں

مسلمانوں میں اس وقت زیادہ تر تین گروہ پائے جاتے ہیں ۔ ایک گروہ

آزادی وطن کے لئے بے چین ہے اور کانگریس کی طرف کھنچ رہا ہے یا کھنچ گیا ہے۔ دوسرا گروہ اپنی قومی تہذیب اور اپنے قومی حقوق کی حفاظت کے لئے انگریز کی گود میں جانا چاہتا ہے اور آئندہ انقلاب کے خطرات سے بچنے کی یہی صورت مناسب سمجھتا ہے کہ سرکار برطانیہ کا معاون بن کر آزادی کی تحریک کو روکے۔ تیسرا گروہ عالم حیرت میں کھڑا ہے اور خاموشی کے ساتھ واقعات کی رفتار کو دیکھ رہا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ تینوں گروہ غلطی پر ہیں۔ پہلے گروہ کی غلطی ہم نے اوپر واضح کر دی۔ دوسرے گروہ کی غلطی بھی کچھ کم خطرناک نہیں۔ یہ لوگ اپنی کمزوریوں کی اصلاح کرنے کے بجائے دوسروں کی ترقی کو روکنا چاہتے ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کے ضعف کی تلافی غیروں کے سہارے سے ہو جائے گی۔ ایسی ذلیل پالیسی دُنیا میں نہ کبھی کامیاب ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ جو قوم خود زندہ رہنے کی طاقت نہ رکھتی ہو، جس میں خود اپنے وجود اور اپنے حقوق کی حفاظت کا بل بوتا نہ ہو، وہ کب تک دوسروں کے سہارے پر جی سکتی ہے؟ کب تک کوئی سہارا اس کے لئے قائم رہ سکتا ہے؟ کب تک زمانے کے انقلابات اس کی خاطر رُکے رہ سکتے ہیں؟ انگریز قیامت تک کے لئے ہندوستان پر حکومت کرنے کا پٹہ لکھوا کر نہیں لایا ہے۔ ہر قوم کے لئے ایک مدت ہوتی ہے۔ انگریز کے لئے بھی بہر حال ایک مدت ہے، اور وہ آج نہیں تو کل پوری ہو گی۔ اس کے بعد وہی قوم برسرِ اقتدار آئے گی جس میں ہمت اور طاقت ہو گی، حاکمانہ اوصاف ہوں گے، عزائم اور حوصلے ہوں گے، صلابت اور عصبیت ہو گی۔ اگر تم میں یہ اوصاف ہوں تو وہ قوم تم ہو سکتے ہو۔ اور اگر تم ان سے عاری ہو تو بہر حال تمہاری قسمت میں محکومی کی ذلت، اور ذلت

کی موت ہی ہے۔ جو گھن کھائی ہوئی لاش کسی عصا کے سہارے پر کھڑی ہو وہ ہمیشہ کھڑی نہیں رہ سکتی۔ عصا کبھی نہ کبھی ہٹ کر رہے گا۔ اور لاش کبھی نہ کبھی گر کر رہے گی۔

تیسرے گروہ کی غلطی سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ یہ دُنیا ایک عرصۂ جنگ ہے جس میں تنازع للبقا کا سلسلہ جاری ہے۔ اس معرکہ میں اُنکے لئے کوئی کامیابی نہیں جو زندہ رہنے کے لئے مقابلہ اور مزاحمت کی قوت نہ رکھتے ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ ایک دور کے خاتمہ اور دوسرے دور کے آغاز کا وقت تو قوموں کی قسمتوں کے فیصلہ کا وقت ہوتا ہے۔ ایسے وقت پر سکون اور جمود کے معنی ہلاکت اور موت کے ہیں۔ اگر تم خود ہی مرنا چاہتے ہو تو بیٹھے رہو اور اپنی موت کی آمد کا تماشہ دیکھے جاؤ۔ لیکن اگر زندہ رہنے کی خواہش ہے تو سمجھ لو کہ اس وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ یہ سستی رفتار کا زمانہ نہیں ہے۔ صدیوں کے تغیرات اب مہینوں اور برسوں میں ہو جاتے ہیں۔ جس انقلاب کے سامان اس وقت ہندوستان اور ساری دُنیا میں ہو رہے ہیں وہ طوفان کی سی تیزی کے ساتھ آرہا ہے۔ اب تمہارے لئے زیادہ سے زیادہ دس پندرہ سال کی مہلت ہے۔ اگر اس مہلت میں تم نے اپنی کمزوریوں کی تلافی نہ کی اور زندگی کی طاقت اپنے اندر پیدا نہ کی تو پھر کوئی دوسری مہلت تمہیں نہ ملے گی۔ اور تم وہی سب کچھ دیکھو گے جو دوسری کمزور قومیں اس سے پہلے دیکھ چکی ہیں۔ اللہ کا کسی قوم کے ساتھ رشتہ نہیں ہے کہ وہ اُس کی خاطر اپنی سنت کو بدل ڈالے۔

جمود بہر حال ٹوٹنا چاہیئے۔ حرکت کی ضرورت ہے اور شدید ضرورت ہے مگر نری حرکت کسی کام کی نہیں۔ حکمت اور تدبر کے ساتھ حرکت ہونی چاہیئے۔ خصوصاً نازک اوقات میں تو حرکت بلا تدبّر کے معنی خود اپنے پاؤں چل کر خندق میں جا گرنے کے ہیں۔ یہ اندھے جوش اور ابلہانہ شتاب روی کا وقت نہیں۔ قدم اٹھانے سے پہلے ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لے کر سوچیئے کہ قدم کس سمت میں اٹھانا چاہیئے؟ آپ کی منزل مقصود کیا ہے؟ اس کی طرف جانے کا صحیح راستہ کونسا ہے؟ اس راستہ پر چلنے کے لئے آپ کو کس سامان کی ضرورت ہے؟ کن کن مرحلوں سے آپ کو گذرنا ہوگا؟ اور ہر مرحلے سے بسلامت گذر جانے کے لئے کیا تدبیریں اختیار کرنی پڑیں گی؟

رسالہ **ترجمان القرآن** جس کے مالک اور ایڈیٹر اسلامی ہند کے ممتاز مورخ، فلسفی، سیاستدان اور اہل قلم مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی ہیں۔ مسلمانوں کی سیاسی اور معاشی رہنمائی کے لئے جاری کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کی توسیع اشاعت میں ہاتھ بٹانا ایک اسلامی فرض ہے۔ **سالانہ قیمت** ہے

پتہ: دار الاسلام براہ پٹھان کوٹ (پنجاب)